OPEN ACCESS: “*EPISTEMOLOGY*”
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.10 Issue 11June 2022

سیرت طیبہ کی روشنی میں وحدت امت، ملکی سالمیت اور ہم آہنگی میں عدلیہ کا کردار

NATIONAL SOLIDARITY, INTEGRITY, HARMONY AND ROLE OF JUDICIARY IN THE LIGHT OF SEERAH

Dr. Kaniz Fatima
Army Public School and Colleges System, Malir Cantt, Karachi.

Abstract: Any civilized nation cannot deny the importance of judiciary. No nation has been seen which has taken deterioration and disruption as pride. Disagreement and dispute are compulsory part of human nature. If a powerful authority is not under control to prevent the strong from defrauding the weak then it would result in National disputes. This is the reason why Islam has insisted on judiciary for National Integrity, solidarity and harmony. Islamic judicial has been divided into 3 periods. 1st period extends from Hijrat of Prophet S.A.W to 150 years. It was the initial period and during this period, the judiciary was also in its initial stages. 2nd period starts from the construction of Abbasid capital Baghdad. 3rd period is when Sultan Abdul Majeed Sani made reforms in Khilafat e Usmania then he established judiciary according to French law. Judiciary has been given great importance in Islam. Allah has sent Prophet S.A.W for the establishment of Allah's quality of justice. So, he worked to establish such a system of judiciary. Allah says: ان اللہ یامرو بالعدل والاحسان القرآن 5: 42 Translation:" Verily Allah gives the command of Justice and equality."

Key words: Seerah, National Solidarity, Integrity, role..

کوئی قوم خواہ تہذیب و تمدن کے کسی درجے میں ہو عدلیہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ آج تک کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس نے ابتری اور انتشار کی حالت کو اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھا ہو۔ اختلافات اور تنازعات انسانی طبع کا لازمی جزو ہیں اگر

کوئی ایسی طاقت کار فرماں نہ ہو جو طاقت ور کو کمزور کا حق دبانے سے محفوظ رکھ سکے تو اس کا نتیجہ یقیناً آپس کے انتشار اور ملکی بد نظمی کی صورت میں نکلے گا اور فتنہ و فساد قومی زندگی کے ہر عضو میں سرائیت کر جائے گا۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے وحدت امت ، ملکی سالمیت اور آپس میں ہم آہنگی کے لئے عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے ۔قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کی وضاحت کی گئی ہے اور نبی صل اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ عدل و انصاف کو بہت اہمیت دی ہے۔اس کے علاوہ ہر مہذب قوم اور معاشرے میں عدلیہ کے وجود کو ضروری سمجھا گیا ہے۔

عدلیہ کی ضرورت اور تاریخی ارتقاء

اگر انسانوں کی خواہشات اور جذبات پر اخلاق کی قید نہ ہو تو ان میں اور درندوں میں فرق نظر نہ آئے۔ قیاس یہ ہے کہ جب انسان غاروں میں رہتے تھے تو درندہ صفت ہوں گے پھر جب انسان کے شعور نے ترقی کی تو ایک کنبے میں مل جل کر رہنے لگے ہوں گے ، پھر کنبے بڑھ کر قبیلے ہوئے ، جب قبائلی نظام فرسودہ قرار دیا گیا تو متمدن اور مہذب حکومتیں قائم ہو گئیں۔ان میں سے بعض حکومتوں کا نظام عدلیہ موجودہ زمانے کے نظام عدل سے کسی صورت کم ترقی یافتہ نہ تھا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شروع ہی سے عدلیہ کو قائم کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟

"اگر مختلف انسانوں کا مقصد مشترک نہ ہو اور اختلاف کی صورت میں ان پر کوئی اعلی اقتدار والا حاکم نہ ہو تو وہ بھیڑیوں کے غول سے زیادہ خون خوار اور باہمی دھنگا فساد کرنے والے نظر آئیں گے۔ "(1)

ان میں امن قائم کرنے اور ان کے باہمی حقوق کے تعین اور حفاظت کے لیئے نظام عدل وضع کرنے والا حاکم ہو تا کہ ان میں وحدت و ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔اگر حاکم اعلی کا دبدبہ مفقود ہو تو معاشرہ درہم برہم ہو جائے اور لوگوں کا ایک جگہ رہنا ناممکن ہو جائے۔جب انسانوں کا کوئی حاکم اعلی نہیں تھا،" وہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے سے ایک قسم کی جنگ میں مبتلا تھے ہر آدمی دوسرے کا دشمن تھا اور ہر انسان کی حفاظت کا دارومدار اپنے قوت بازو پر تھا اور جان کا خطرہ ہر وقت اس کو خوف زدہ رکھتا تھا۔"(2)

اگر کوئی ایسا ادارہ موجود نہ ہو جو قانون کے مطابق کسی حق دار کو اس کا حق دلا سکے یا مظلوم کی دادرسی کر سکے تو ایک ستم رسیدہ مظوم کے لیئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ ظلم کا بدلہ خود لے اور اپنا حق قوت بازو سے حاصل کرے۔انصاف حاصل کرنے کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں رائج تھا ایک کمزور مظلوم انسان کا طاقت ور ظالم سے بدلہ لینے کی

کوشش کرنا خودکشی کرنے کے مترادف تھا۔اہل مغرب ڈوؤل کو اٹھارویں صدی عیسویں تک جائز قرار دیتے رہے مگر اسلام نے اس کو قطعاناجائزاور حرام قرار دیا کیونکہ :

اول: مظلوم کو ایک ہی وقت میں فریادی، قاضی اور جلاد کا کام کرنا پڑتا ہے لہذا منصفانہ فیصلے کی توقع کرنا بے کار ہے۔

دوم: لازمی نہیں کہ مظلوم کے پاس بدلہ لینے کی طاقت ہو۔

سوم: اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ اپنے حق سے تجاوز نہیں کرے گا۔

چہارم: عام لوگوں اور خاص طور پر جس سے بدلہ لیا جائے اس کو یا اس کے لواحقین کو یقین نہیں ہوتا کہ فیصلہ انصاف کے مطابق ہوا ہے لہذا ان سب قباحتوں کا صد باب یہی ہے کہ کسی بھی ملک میں عدلیہ کا ایسا نظام قائم ہو کہ ہر ایک کے ساتھ عدل وانصاف ہو سکے، جن فریقین کے مابین تنازعہ ہو مجبور ہوں کہ اس کا فیصلہ عدلیہ سے کروائیں۔قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے کہ جب کوئی جھگڑا ہو جائے تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر جانا چاہئے۔

"یعنی اے رسول تیرے رب کی قسم ہے کہ وہ لوگ جن کے درمیان جھگڑا ہے وہ جب تک تم کو منصف نہ بنائیں اور پھر جو تم فیصلہ کرو اس سے اپنے دلوں میں انقباض نہ پاویں اور اچھی طرح تسلیم نہ کریں اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے۔"(3)

یہ حکم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ہر حاکم کی عدالت کا فیصلہ ماننے کے لئے ہے (اگر وہ قرآن وسنت کے تابع ہو)۔تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدلیہ کا قیام حکومتوں اور سلطنتوں کی مضبوط و مستحکم قوت کی بنا پر معرض وجود میں آیا۔

"نظام معدلت کو قائم کرنے کے لیئے ایک مضبوط اور پائیدار حکومت کا ہونا ضروری ہے۔تمام ارباب خرد فطری طور پر اپنے معاملات ایسے رہبر کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں جو انہیں ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکے اور مخاصمت باہمی میں ان کے درمیان فیصلہ کرے اگر ذی اقتدار افراد نہ ہوں تو عالم میں شخصی انار کی پھیل جائے اور تہذیب واجتماع کا شیرازہ بکھر جائے"(4)

جیسے جیسے تہذیب نے ترقی کی عدلیہ کی ضرورت بڑھتی گی اور دنیا کے نظام عدلیہ میں ترقی اور جدتیں بھی پیدا ہوتی گئیں۔ آج ہمارے سامنے جو عدلیہ قیام فرما ہے وہ تہذیب کے تمام تر تجربات کا نچوڑ ہے۔عدلیہ کسی بھی قوم کو وحدت میں پرونے ،متحد رکھنے اور آپس کی ہم آہنگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اسلامی عدلیہ کی تاریخ

اسلامی عدلیہ کو تین بڑے ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

پہلا دور: حضور صل اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے لے کر ڈیڑھ سو سال پر محیط ہے، یہ دور ابتدائی تھا اور اس میں عدلیہ کا نظام بھی ابتدائی درجہ میں تھا اس دور میں نبی اکرم صل اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور بنوامیہ کا دور شامل ہے۔

دوسرا دور: یہ دور عباسی دارالحکومت بغداد کی تعمیر سے شروع ہوتا ہے، عباسی خلافت آہستہ آہستہ کمزور ہونے کے بعد بالآخر تباہ ہو گی، اسلامی سلطنت ترکوں کے ہاتھ چلی گی، یہ دور 1255 تک کا ہے۔

تیسرا دور: یہ دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب سلطان عبدالمجید نے یورپ کی علمی اور اجتماعی ترقی سے متاثر ہو کر دولت عثمانیہ میں جدید اصطلاحات کا نفاذ کیا تو عدلیہ کے شعبے میں بھی تبدیلی آئی اور فرانسیسی علاقوں کے قانون کے مطابق اس کے قواعد وضوابط ترتیب دیۓ۔ یہ دور اس وقت سے لے کر اب تک برقرار ہے۔

اسلامی عدلیہ کو تفصیلا بیان کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام کیا ہے اور اسلام نے عدلیہ پر اس قدر زور کیوں دیا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا بین الاقوامی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا قانونی اسلام کی ہدایت سے محروم نہیں رہا۔ اس کی تعلیمات نہایت جامع، مکمل، وسیع اور پوری انسانی زندگی کا احاطہ کیۓ ہوئے ہیں۔ اسلام ہر شعبہ زندگی کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ وہ شعبہ خواہ معاش کا ہو، سیاست کا ہو، معیشت کا ہو یا قانون یا عدلیہ کا اسلام نے اس کے اصولوں کی وضاحت فرمائی ہے۔

اسلام کا مفہوم: "اسلام کے لغوی معنی اطاعت، جھکنے، اور مکمل سپردگی کے ہیں۔"(5)

لغت میں اسلام اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے "اطاعت قبول کر لینا اپنے آپ کو سپرد کر دینا۔ یعنی اللہ کی اطاعت کرنا۔ قرآن نے اسلام کے لیۓ "دین" کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کے معنی مکمل ضابطۂ حیات کے ہیں:

ان الدین عنداللہ الاسلام، ترجمہ: "نظام زندگی تو اللہ کے نزدیک بس اسلام ہی ہے۔"(6)

ایک اور جگہ فرمایا: ترجمہ: "کیا وہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں۔"(7)

پھر فرمایا: ترجمہ: "جو اسلام کے علاوہ کوئی اور نظام زندگی چاہتا ہو وہ ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔"(8)

اسلام کا ایک مطلب سلامتی بھی ہے کیونکہ اسلام کا مادہ "سلم" سے ہے اور سلم کے معنی سلامتی کے ہیں، اسلام کا مطلب ہی سلامتی میں داخل ہو جانا ہے۔ جب وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو امن و سلامتی میں آ جاتا ہے اس سلامتی کا ایک مظہر اسلام کا نظام عدلیہ ہے جو دنیاوی طور پر انسان کو امن و سلامتی فراہم کرتا ہے اور وحدت امت کے لیئے ایک لازمی ستون ہے۔

اسلامی عدلیہ: عدل اسلامی ریاست کا چھٹا اصول ہے القضاء بالعدل اور القیام بالقسط یعنی عدل و انصاف قرآن کریم میں اس اصول کا ذکر لفظ "عدل" کے ساتھ آیا اور اس کا تذکرہ سترہ آیات میں واضح طور پر ہوا ہے۔ لفظ قسط بمعنی انصاف کے ساتھ تئیس آیات میں اس کا ذکر ہے۔ احادیث رسول اور اقوال صحابہ و تابعین میں عدل و عادل کی مدح اور ظلم اور ظالم کی مذمت سینکڑوں مرتبہ کی گئی ہے عدل کا ذکر و حکم، سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ شوری، سورہ طلاق، سورہ انعام، سورہ اعراف، سورہ نحل اور سورہ حجرات میں آیا ہے۔

عدل کا مفہوم: عدل عربی زبان کا لفظ ہے، لغوی معنی برابری کے ہیں یعنی کسی چیز کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کر دینا کہ کسی حصے میں کمی یا بیشی نہ ہو عدل کہلاتا ہے۔

"کسی شے کے ٹھیک اپنے محل اور حدود کے اندر ہونے کا نام عدل ہے"(9)

عدل ظلم کے اختلاف میں ہونے والا لفظ ہے۔ اسلام نے عدل کو بنیادی اہمیت دی ہے کیونکہ اس کے بغیر ایک صالح معاشرے کا قیام عمل میں نہیں آ سکتا، کسی بھی معاشرے میں امن و سلامتی، خوشحالی، وحدت، ہم آہنگی اور ارتقاء کے مراحل اسی وقت طے ہو سکتے ہیں جب وہاں عدل موجود ہو۔ عدل کے تحت خون کا بدلہ خون اور عضو کا بدلہ عضو ہے۔

"اہل لغت نے عدل کے معنی مثالا یہ لکھے کہ اونٹ کے دونوں کجاوے ایک جیسے بھرے ہوں ایک جیسا وزن ہو تو اس کے معنی دراصل برابری کے ہیں"۔(10)

"عدل کے معنی سیدھا کرنا، انصاف کرنا، برابر کرنا ہے"(11')

جب کہ عام اصطلاح اور قضاء کے نقطۂ نظر سے عدل کا مفہوم یہ ہے کہ روز مرہ کے معاملات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے جج یا قاضی عدل وانصاف کے ساتھ ان کے حقوق عامہ کا یوں تحفظ کرے کہ کسی ایک کی بھی حق تلفی نہ ہو۔

عدل قرآن کی روشنی میں

عدل کے اصطلاحی معنی کو احکامات قرآن کی روشنی میں باآسانی سمجھا جاسکتا ہے، اللہ تعالی نے ہر معاملے میں عدل کرنے پر زور دیا ہے۔

وامرت لاعدل بینکم (12)

ترجمہ: "اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط (13)

ترجمہ: "اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان کے درمیان انصاف کے ساتھ۔"

ان اللہ یامر و بالعدل والاحسان (14)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالی عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

ومن یامر و بالعدل وھو علی صراط مستقیم (15)

ترجمہ: "جو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے وہ صراط مستقیم ہے۔"

فلا تتبعوا الھوی ان تعدلو (16)

ترجمہ: "تم نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو کہ تم حق سے ہٹ جاؤ۔"

علمائے اسلام کے نزدیک عدل کا مفہوم:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "انصاف ہی پر دنیا و دین کی فلاح کا دار و مدار ہے اور بغیر عدل کے فلاح دارین کا حصول ناممکن ہے۔"(17)

"سیاست شریعہ کی عمارت دو ستونوں پر قائم ہے ایک ہے مناصب اور عہدے اہل تر لوگوں کو دینا اور دوسرا ہے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔"(18)

امام راغب کے نزدیک: "عدل بدلہ دینے یا لینے میں برابری کا نام ہے"۔

ارسطو نے اپنی کتاب "پبلیکا" میں عدل وانصاف کی تعریف اس طرح کی ہے " قانونا جائز، مناسب یا اس کے مساوی" (19)

اس کا کہنا ہے کہ: "ہر فرد کو وہ سب کچھ ملنا چاہیئے جو اس کا حق ہے اور دوسرا یہ کہ نقصان یا غلط روی کی مناسب طریقہ پر تلافی یا معاوضہ یا معالجہ (انسداد) ہونا چاہیئے۔"(20)

سالمنڈ نے اپنی کتاب "فلسفۂ قانون" میں قانون کی یوں تعریف کی ہے:

" قانون ان صولوں کے مجموعے کا نام ہے جس کو کسی مملکت یا ریاست نے عدل وانصاف کو بروئے عمل لانے کے لیئے منظور اور نافذ کیا ہے"(21)

عدل کی اقسام:

1 قانونی عدل،2 معاشی عدل،3 معاشرتی عدل،4 سیاسی عدل

1 قانونی عدل: اس سے مراد یہ ہے کہ قانونی طور پر ہر شخص کو بلا رنگ ونسل ومذہب کے عدل فراہم کیا جائے اگر قانون عدل فراہم نہ کر پائے تو وہ قانون نہیں کہلاتا ہے۔ قانون بنانے کا مقصد یہ ہوا ہے کہ ایک حد بندی کر دی جائے جس میں افراط وتفریط نہ ہونے پائے۔اسلام کے قانون عدل کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے ان قوانین کے ذریعے عوام کو عدل فراہم کرنا ہے تاکہ ایک پر امن معاشرہ قائم ہو سکے۔ قانونی عدل یہ ہے کہ ہر انسان کو یکساں طور پر قانونی تحفظ میسر ہو۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکمو بالعدل(22)

ترجمہ: "جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو۔"

2 معاشی عدل: اسلامی نظریۂ حیات انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کو اس طرح مربوط وہم آہنگ کرتا ہے کہ ایک دوسرے سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ زندگی کی مادی ضرورتوں میں عدل برقرار رکھنے کے لیئے یہ تعلیم دی گئ ہے کہ مال کے خرچ کرنے میں افراط وتفریط اور اصراف وبخل کی بجائے اعتدال سے کام لیا جائے اور تمام لوگوں کو برابر کے معاشی مواقع فراہم کیئے جائیں اگر کسی ملک میں معاشی عدل نہ ہو تو بدامنی، نفرت وبغض کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو وحدت امت اور ملکی سالمیت کے لیئے خطرہ ہو سکتے ہیں اس لیئے اسلام نے معاشی عدل پر بہت زور دیا ہے۔

اوفوالمیزان بالقسط(23) ترجمہ: "ناپ تول انصاف کے ساتھ کرو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے، ترجمہ: "اور ترازو رکھی کہ ترازو میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو(ٹھیک ٹھیک تولو)اور وزن میں کمی نہ کرو۔"(24)

زکوۃ اور بیت المال کا نظام اسلام میں معاشی مساوات اور عدل قائم کرتا ہے، دولت کی تقسیم مساوی لحاظ سے کرنے کے لیۓ قرآن پاک میں ارشاد ہے: "تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہگیروں کے لیۓ ہے"(25)

3 معاشرتی عدل: معاشرتی زندگی میں افراد کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کو متوازن رکھنے کی ضمانت حاصل ہو، معاشرتی زندگی کے مقاصد کے حصول کے لیۓ کی جانے والی باہمی تعاون واشتراک کی جدوجہد میں اگر کسی فرد کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا جائے تو وہ اپنے فرائض کی تکمیل نہیں کر سکتا۔یوں معاشرے میں توازن برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے جس کے باعث ملکی سالمیت، وحدت ملی اور آپس میں ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

"اسلامی معاشرتی عدل میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں دولت وثروت کے لحاظ سے کوئ شخص باعث تکریم نہیں اور نہ ہی کسی رنگ ونسل کی بناء پر دوسروں پر فضیلت حاصل ہے بلکہ دنیا کا ہر فرد قابل احترام ہے۔"(26)

ہر فرد کو معاشرتی عدل فراہم ہونا چاہیۓ دوسروں کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا اسلام نے حکم دیا ہے۔

ولایجر منکم شنان قوم علی الا تعدلوا عدلو ھو اقرب لتقوی(27)

ترجمہ: "کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو یہی تقوی سے قریب ہے۔

عدل کرتے وقت کوئ تفریق نہیں ہونی چاہیۓ دوست دشمن سب برابر ہوں تب ہی کوئ معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلا سکتا ہے۔خاندانی معاملات میں بھی اسلام نے عدل کو لازمی قرار دیا ہے۔

"اگر تم کو خدشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کافی ہے یا وہ لونڈی جو تمہاری ملکیت میں ہے، یہ بہتر ہے تمہارے لیۓ کہ اگر تم بے انصافی کرو۔"(28)

معاشرتی عدل یہ بھی ہے کہ کسی کے ساتھ کوئ امتیازی سلوک نہ کیا جائے، معاشرے کے تمام افراد برابر ہیں اور کوئ کسی سے برتر نہیں ہے۔

رسول اللہ کا ارشاد پاک ہے کہ "سب آدم کی اولاد ہیں کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، امیر کو غریب پر کوئی فوقیت نہیں، افضل وہ ہے جو پرہیز گار ہے۔"(29)

اسی بات کو قرآن پاک میں یوں ارشاد فرمایا ہے

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک زیادہ معزز وہ ہے جو پرہیز گار ہے۔"(30)

معاشرے کو برائی سے پاک رکھنے کے لیے اسلام نے معاشرتی عدل پر زور دیا ہے تاکہ آپس میں اتفاق و محبت اور یگانگت کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

4 سیاسی عدل: کسی بھی مملکت کا کام معاشرے میں توازن و اعتدال قائم کرنا ہے اور یہ عدل کے بغیر ممکن نہیں۔ سیاسی عدل یہ ہے کہ ریاست کے سیاسی اداروں میں ہر شخص کو برابری کے حقوق حاصل ہوں اور سیاسی امور میں حصہ لینے کا حقدار ہو، سیاست کا شعبہ حکومت قائم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے حکومت اللہ کی نیابت ہے اللہ تعالی نے ہر انسان کو اس نیابت کا حق مساوی طور پر تفویظ کیا ہے اس لیے ہر شخص کو سیاسی عدل فراہم ہونا چاہیے لہذا اسلام نے زندگی کے کسی شعبے کو اپنی تعلیمات سے محروم نہیں رکھا اس لیے زندگی کے ہر معاملے میں خواہ وہ معاشی ہو، معاشرتی ہو، سیاسی ہو قانونی ہر حال میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ ایک پر امن معاشرے کا قیام ممکن ہو سکے جس میں امن و سلامتی وحدت امت، باہمی ہم آہنگی اور ملکی سالمیت کو تحفظ حاصل ہو۔

عدل ایک خدائی ضابطہ: عدلیہ کو قرآن کریم میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ امام ترمزی اور امام بیہقی رح نے اللہ تعالی کے ننانوے اسماء الحسنی کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالی کا ایک اسم "العدل" بھی ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا یہ نام لفظا نہیں آیا لیکن انصاف کے حوالے سے اس کی یہ شان متعدد مقامات پر نظر آتی ہے۔ سورہ مومن، سورہ انعام اور سورہ آل عمران کی آیات اللہ تعالی کے عدل و انصاف کی عظیم صفت اقدس کو ظاہر کرتی ہیں۔

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور(31)

اللہ تعالی نے حضرت محمد صل اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسی اسم مبارک "العدل: کا مظہر اتم بنا کر بھیجا۔ آپ صل اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے "عدل و انصاف" سے مزین امت، اسلامی معاشرہ اور عدلیہ قائم کرنا تھا تاکہ امت میں وحدت کا عنصر غالب ہو سکے اور سب کو عدل و انصاف حاصل ہو۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ اسلام میں عدل کا مرکزی اور اولین ماخذ قرآن پاک ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

انا انزلنا الیک الکتب بالاحق لتحکم بین الناس بما ارک اللہ(32)

ترجمہ: "یقینا ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے سے فیصلہ کرسکو جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: "پس ان کے درمیان عدل کرو اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور جو سچ تمہارے پاس آچکا ہے (اس سے منہ موڑ کر) ان کی گھٹیا خواہشات کی پیروی نہ کرو۔"(33)

ان آیات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ عدل کا بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے اللہ تعالی نے عدلیہ کے اصولوں کی وضاحت قرآن مجید میں فرمادی ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا و طعن (34ا)

ترجمہ: "ایمان والوں کا کام یہ ہے کہ جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔"

جب مسلم معاشرے میں خدائی عدل کا نفاذ ہو گا تو امت میں محبت و یگانگت اور وحدت کا جذبہ فروغ پائے گا اس کے باعث ملکی سالمیت اور آپس میں ہم آہنگی برقرار رہے گی عدل کو قرآن و سنت کی روشنی میں نافذ کرنا عدلیہ کا کام ہے۔

حضرت محمد صل اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عدلیہ:

طلوع اسلام سے عرب میں ایک عالمگیر تحریک پیدا ہوئی اور دنیا کے لیۓ ایک نیا تصور حیات پیش کیا گیا۔ جاہلیت کے تمام رسم و رواج اور ادارے معطل قرار دیۓ گۓ اور ایک نئ معاشرت کا وجود عمل میں آیا۔ آپ صل اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو آپ صل اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی جسے ایک مکمل دستور فراہم کیا گیا ریاست مدینہ میں سب سے پہلی عدلیہ آپ صل اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ دستور مدینہ کی دفعات 24،

44 حضور صل اللہ علیہ وسلم کی عدلیہ سے متعلق تھی۔ یہ دستور بجا طور پر دنیا کا پہلا تحریری دستور کہلانے کا مستحق ہے اس دستور میں کہا گیا ہے کہ انصاف متضرر کے ہاتھ میں نہ ہو گا بلکہ پوری مسلم جماعت کا فرض سمجھا جائے گا اور اس میں کسی رشتہ داری اور قرابت کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا۔

"اس دستور نے اس میں ایک نہایت اہم اور عرب کے لیۓ انقلابی اصلاح و ترقی یہ دی کہ کوئی اپنے حقوق اپنی یا زیادہ سے زیادہ خاندان کی مدد سے حاصل کرنے کی جگہ انصاف رسانی کو ایک مرکزی پبلک ادارہ بنا دیں۔ اس دستاویز میں آنحضرت صل اللہ علیہ وسلم نے عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنفیذی کے اعلی ترین اختیارات اپنے لیۓ محفوظ فرمائے۔"(35)

اگر کوئی متضرر شخص خود بدلہ لے گا تو انصاف کو ملحوظ نہ رکھ سکے گا اس سے محبت و وحدت کو قائم نہ رکھ سکے گا کیونکہ زیادتی کے ذریعے امت میں انار کی اور بد نظمی کا فروغ ہو گا اسی لیۓ عدلیہ کا عہدہ نبی صل اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھا۔

"عدل گستری کے سلسلے میں آخری عدالت مرافعہ جہاں ذات رسالت پناہی سلم کو قرار دیا گیا وہیں ہر جانے اور خون بہا (ضمان و دیت) کی ادائیگی کے لیۓ قدیم نظام بیمہ کی توسیع و تشریح کی گئی۔"(36)

دستور مدینہ کے تحت یہودیوں کی بھی آخری عدالت مرافعہ کے فرائض آنحضرت صل اللہ علیہ وسلم ہی انجام دیں گے۔

نظائر سے معلوم ہوا ہے کہ "یہودیوں کے مقدمات میں آنحضرت صل اللہ علیہ وسلم ان کے شخصی قانون ہی کے تحت فیصلے کرتے تھے۔"(37)

حضور صل اللہ علیہ وسلم بطور چیف جسٹس میثاق مدینہ کی دفاعت 4424 کے تحت تمام قانونی تنازعات عدالتی معاملات اور مقدمات محمد صل اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے۔ دفعہ 44 کے تحت "جب کبھی اس صحیفہ والوں کے درمیان کوئی حادثہ پیش آئے یا کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہو جس سے فساد برپا ہونے کا خدشہ ہو تو اس کا حوالہ اللہ عزوجل کی طرف اور محمد صل اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہو گا۔(38)

نبی صل اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے پورا اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو غیر مسلموں کے فیصلے کریں چاہیں تو نہ کریں۔ مگر اس دور میں آپ صل اللہ علیہ وسلم کی عدالت ہی سب سے بڑی عدالت ہوتی تھی غیر مسلم اپنے طور پر اپنے مقدمات آپ صل اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں لاتے تھے اور آپ بلا رورعایت فیصلے فرماتے تھے۔ آپ صل اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے "عدل و انصاف" سے مزئین اسلامی معاشرہ اور مملکت قائم کرنا تھا تاکہ امت مسلمہ میں وحدت و یگانگت کا جذبہ

کار فرماں ہو سکے آپس میں ہم آہن گی، اتفاق و محبت کے جذبات پیدا ہوں جس سے امت و ملک کے اندر امن و سلامتی کو برقرار رکھنا ممکن ہو سکے۔

موجودہ عدلیہ:

پاکستان کے قیام کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنے زندگیاں آزادی سے قرآن وسنت کے مطابق بسر کر سکیں۔ معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ مساوی سلوک ہو ہر ایک شخص کو سماجی انصاف میسر ہو کیونکہ متحدہ ہندوستان میں ان کو سماجی انصاف میسر ہو کیونکہ متحدہ ہندوستان میں ان کو سماجی انصاف قطعا میسر نہ تھا۔ ان کا جان ومال، عزت وآبرو غرض کوئی چیز محفوظ نہ تھی۔ پاکستان میں عدلیہ وہ واحد ادارہ ہے جو لوگوں کو انصاف فراہم کرتا ہے۔

اسلامی قانون کے ماہر ججوں کی کمی:

جہاں تک ہماری عدالتوں کے ججوں کا تعلق ہے تو معمولی ضلعی عدالت سے لے کر سپریم کورٹ تک جتنے بھی جج ہیں انہوں نے اسلامی قانون کی تربیت کہیں سے بھی حاصل نہیں کی لہذا ہماری عدالتوں میں چند ایک ججوں کے علاوہ جنہوں نے اپنی کوشش سے اسلامی فقہ کا مطالعہ کیا ہے، "ہمارے ججوں کی عظیم اکثریت اسلامی فقہ میں ماہر نہیں ہے اس کے برعکس انہوں نے انگریزی قانون کی تعلیم پائی ہے اور عملا برت کر اس کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ اب ایسے جج حضرات سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اسلامی فقہ کے مطابق فیصلہ کریں گے ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کیونکہ جو بو کر گندم کاٹنے کی کوشش کرنے کی توقع کرنے والے کو کوئی بھی عقلمند نہیں کہہ سکتا۔"(39)

قیام پاکستان کے بعد انگریز کا تیار کردہ قانونی اور عدالتی نظام ہمیں ورثے میں ملا ہے اسی قانون کے ماہر وکیل اور جج بھی تھے ۔اسلامی مملکت کے ہونے کے ناطے عدالتی نظام میں تبدیلی و نظر ثانی کی جانی چاہیے تھی مگر ایسا نہیں۔

تاخیری اور مہنگا انصاف:

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ رعایا کو مفت اور فوری انصاف مہیا کیا جائے، انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے ہمارے ہاں دیوانی یا فوجداری مقدمہ برسوں چلتا رہتا ہے۔ انصاف کے طالب اور مدعی ختم ہو جاتے ہیں لیکن مقدمہ ختم نہیں ہوتا۔ اس کے کئی اسباب ہیں لیکن اس کا سب سے بڑا سبب موجودہ عدالتی نظام کا پیچیدہ طریقہ کار ہے مثلا پولیس کے ذریعے بنیادی تفتیش، کچی پیشی، پکی پیشی، سمن، دونوں سمتوں سے گواہوں کا ایک ایک کر کے بھگتنا پھر ان پر

جرح، جوابی جرح اور پھر فیصلہ اس طریقہ کار سے مقدمہ سالوں گھسٹتا رہتا اور فیصلہ ہونے کو نہیں آتا تاخیری اور مہنگا انصاف لوگوں کو انصاف سے مایوس کر دیتا ہے ان کے اندر بے چینی اور نفرت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔

"وہ جس نے ایک مرتبہ بھی کسی عدالت کا منہ دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ نامبارک عدالتیں انصاف کی روح سے خالی ہیں۔ ان سے انصاف حاصل کرنے کے لیے قارون کا خزانہ، جھوٹے گواہوں کی فوج، رشوت کی تھیلیاں، عمر نوح اور صبر ایوب کی ضرورت ہے بسا اوقات یہ سب چیزیں میسر ہو جاتی ہیں لیکن انصاف حاصل نہیں ہوتا۔"(40)

انصاف میں تاخیر آئے دن پیشیاں، بے اندازہ خرچ اور وکلا کی فیسیں عام آدمی کو انصاف حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں ہیں جن کے باعث معاشرے میں افراتفری، انارکی، فساد اور نفاق کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

عدالتوں کا پیچیدہ طریقہ کار:

عدالتوں کا طریقہ کار انتہائی پیچیدہ اور گنجلک ہے عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے ہمارے ملک میں مختلف قوانین چل رہے ہیں،

"کہیں انگریزی قانون کے مطابق فیصلہ ہو رہا ہے کہیں شریعت کے مطابق، کہیں مقامی رسم ورواج اور فاٹا کے اصولوں کے مطابق ایک ہی مقدمے میں اپیل کے لیے اتنے سارے فورم ہیں کہ فیصلے پر عمل درامد دشوار ہو جاتا ہے۔ دیوانی مقدمہ افسر مال کی عدالت سے ہو کر تحصیل دار، وہاں سے سول کورٹ، پھر سیشن کورٹ، پھر ہائی کورٹ اور اخر میں سپریم کورٹ میں چلا جاتا ہے۔"(41)

یہی وجہ ہے کہ ہے اس پورے نظام سے مایوسی، ناامیدی، بے اطمینانی، پریشانی اور بدامنی دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے۔

عدلیہ پر انتظامیہ کا اثر اور دباؤ:

پاکستان میں ابتدا ہی سے یہ بات آئین کا حصہ ہے کہ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے مگر عملا ایسا نہیں ہے مقننہ کو دن بدن زیادہ سے زیادہ انتظامی اختیارات دیے جا رہے ہیں اور مسلسل عدلیہ کے اختیارات استعمال کر رہی ہے۔

"موجودہ ڈھانچہ ہی حکومتوں کے وقتی مفادات کو پورا کرتا ہے، چونکہ انتظامی افسر براہ راست کسی کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے حکومت کے لیے اس سے اپنی مرضی کے فیصلے کروانا مشکل نہیں ہوتا یوں انصاف کا بنیادی ڈھانچہ ہر وقت حکومت

کی گرفت میں ہوتا ہے یوں اپنے سیاسی مفادات کو انتظامیہ کے ذریعے عدلیہ کے بنیادی ڈھانچہ تک پھیلا دیا جاتا ہے (42)"۔

چناچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ کیا جائے تاکہ امن وامان اور باہمی تعاون اور آپس میں ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو۔

قانون کے لحاظ سے عدم مساوات:

ہمارے عدالتی نظام میں قانونی لحاظ سے سب کو برابر تسلیم نہیں کیا جاتا جب کہ اسلامی عدلیہ میں آقا و غلام کو برابر سمجھا جاتا ہے۔ خلفائے وقت بھی بہ نفس نفیس عدالتوں میں حاضر ہوتے رہے ہیں انہوں نے کبھی اس کو عار نہ سمجھا تھا ہمارا عدل انگریزی قانون کے تابع ہے جس کی بنا پر قانونی نظام انتظامیہ اور ریاست کے سربراہوں کو عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ جب حضرت عمر خلیفۂ وقت تھے تو حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب رض کے درمیان ایک باغ کے معاملے پر تنازعہ ہوا تو دونوں حضرات، حضرت زید بن ثابت کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رض نے فرمایا: "حاکم اور ثالث کے گھر پر دونوں فریق کو حاضر ہونا چاہیئے۔ حصرت زید بن ثابت رض نے اپنی جگہ سے یعنی صدر مجلس سے ہٹ کر حضرت عمر رضی سے درخواست کی کہ امیر المومنین یہاں تشریف رکھیں۔ حضرت عمر رض نے فرمایا: "زید تم نے ابتدا ہی ظلم سے کی تم مجھے میرے فریق کے ساتھ بٹھاؤ۔ ابی نے اپنا دعوی پیش کیا، حصرت زید نے ابی سے گواہ طلب کیئے انہوں نے کہا میرے پاس کوئی گواہ نہیں۔ حضرت زید بن ثابت نے حضرت عمر رض سے کہا آپ کو حلف اٹھانا پڑے گا پھر ابی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ابی، امیر المومنین سے حلف نہ اٹھواؤ۔ حضرت عمر رض نے حضرت زید سے فرمایا کہ کیا تم سب ہی لوگوں کے مقدمات میں اسی طرح فیصلہ کرتے ہو۔ حضرت زید نے کہا کہ نہیں۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جس طرح دوسروں کے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہو اسی طرح ہمارے درمیان بھی فیصلہ کرو۔"(43)

اسلامی عدلیہ میں حاکم اور رعایا دونوں قانون کی نظر میں مساوی ہیں۔ حکمران وقت بھی عدالت میں حاضر ہوتا تھا جب کہ ہمارا عدالتی نظام اسلام کے قانونی مزاج اور روح کے مطابق نہیں ہے۔

تجزیہ:

پاکستان کی موجودہ عدلیہ برطانوی نظام قانون پر مبنی ہے، انگریز خود تو اس ملک سے چلے گئے مگر ان کے قائم کردہ نظام ہائے حکومت برقرار رہے جہاں تک عدلیہ کا تعلق ہے تو اسلامی نظام عدل دنیا کے لیے ضرب المثل تھا اس میں اپنے پرائے ،آقا و غلام، رعایا و حکمران اور دوست و دشمن تک میں کوئی فرق روا نہ رکھا جاتا تھا۔ حکمران وقت کو بھی عام آدمی کی طرح عدالت میں پیش ہونا پڑتا تھا کسی قسم کا امتیازی سلوک روا نہ رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے اپنے ابدی قوانین کو اسلامی معاشرے کے لیے رائج کیا۔ اس کے فوائد آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قائم و دائم ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد حکومتوں نے بیرونی استعماری طاقتوں کی سازش پر ایسا ماحول ملک میں پیدا کر دیا کہ عوام میں یہ رائے پیدا کی جانے لگی کہ اسلامی نظام کا نفاذ اس ملک کے لیے ممکن اور موزوں نہیں ہے ملک کے اندر مختلف مغربی نظام ہائے زندگی و قوانین کا تجربہ کیا گیا جو کہ عوام کے لیے مزید مشکلات کا سبب بنا جس سے معاشرے کے اندر افراتفری، بدامنی، بے چینی، نااتفاقی، بے راہ روی اور جرائم کو تحریک ملی۔ معاشرہ بجائے اصلاح کے بگاڑ کی راہ پر گامزن ہوا اس طرح عوام کو انصاف ملنے کے بجائے بے انصافی کی چکی میں پسنا پڑا، ایسے میں اسلامی نظام عدل ہی لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لا سکتا تھا۔ قیام پاکستان کے محرکات میں سے ایک محرک یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاشرتی ناانصافیاں ہوتی تھیں، ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی روا رکھی جاتی تھی، مسلمانوں کا معاشرتی، معاشی، مذہبی اور سیاسی غرض ہر طرح سے استحصال کیا جاتا تھا۔ انہی معاشرتی ناانصافیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس لیے اس کے اندر اسلامی قوانین ہی کا نفاذ ہونا چاہیے تھا۔ مگر ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ آج تک اسلامی نظام کا نفاذ نہیں ہو سکا۔

اسلامی معاشرے میں سچائی اور بھائی چارہ قائم کرنے کے لیے ہر فرد کو یکساں اور فوری انصاف فراہم ہونا چاہیے تاکہ معاشرے میں امن وامان، محبت والفت، اتفاق واتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو سکے جس سے ملک سالمیت اور تحفظ برقرار رہے۔ اسلام میں عام آدمی اور حکمران میں کوئی تفاوت نہیں برتا جاتا۔ ہمارے نظام عدل میں سب کے ساتھ مساوی سلوک ہونا چاہیے جیسے کہ ماضی میں خلافت راشدہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے دور میں حکمران وقت بھی عدالت میں پیش ہوتے رہے ہیں تاکہ سب کے ساتھ انصاف ہو سکے جس سے ملک میں امن وامان وحدت، اتفاق و محبت اور آپس میں ہم آہنگی قائم ہو سکے اور ملکی سالمیت کو کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔

حوالہ جات وحواشی

1-عزیز احمد، "اصول قانون"، ناشر اکیڈمی، پاکستان، س۔ن، ص90۔

2-ایضا ص91۔

3-القرآن، 65:4، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی ادارۃ المعارف، 1989، ج2۔

4-الماوردی، "الاحکام والسلطانیہ"، ترجمہ سید محمد ابراہیم، مطبع، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن، اشاعت 1931، ص11۔

5۔ مفتی، محمد شفیع، "معارف القران"، ادارۃ المعارف، کراچی، اشاعت اپریل 1989، ج1، ص57۔

6–القرآن، 19:3، معارف القرآن ج2۔

7۔ایضا، 83:3،۔ معارف القرآن، ج2۔

8۔ایضا، 85:3، معارف القرآن، ج2۔

9۔ طارق، سید عبدالصبور، "مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل اور حکمرانوں کے خلاف فیصلے"، لاہور، البدر پبلیکیشنز، اردو بازار، 1987، ص12۔

10۔ سید، قاسم محمود، "اسلامی انسائیکلوپیڈیا"، شاہکار بک فاؤنڈیشن، ص1066۔

11۔ فروز اللغات عربی، لاہور، فروز سنز، ص433۔

12۔ القرآن، 15:42، معارف القرآن، ج7۔

13۔ ایضا، 42:5، معارف القرآن، ج3۔

14۔ ایضا، 90:16، معارف القرآن، ج5۔

15۔ ایضا، 76:16، معارف القرآن، ج5۔

16۔ ایضا، 135:4، معارف القرآن، ج2۔

17۔ رشید احمد، پروفیسر، "مسلمانوں کے سیاسی افکار"، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ 1961، ص211۔

18۔ شیخ الاسلام، "السیاستہ الشریعۃ"، المدینہ المنورہ، توزیع الجامعۃ الاسلامیہ، اپریل 1960، ص7۔

19 ۔ Joel Ferenberg , Hyman Gross, " Philosophy of law " , California , WordsWorth Publishing Company Belmont, 3rd edition, pg.334.

20۔ سر جان سالمنڈ، "اصول قانون"، ترجمہ مولوی سید علی رضا، حیدر آباد دکن، مطبع دار الطبع عثمانیہ، 1925، ص99۔

21-ایضا،ص110-

22-القرآن،4:58،معارف القران،ج2-

23-ایضا،85:11،معارف القران،ج4-

24-ایضا،55:7-9 ،معارف القران،ج8-

25-ایضا،2:215،معارف القران،ج1-

26-اصلاحی،امیر احسن،"اسلامی ریاست ایک تاریخی جائزہ"،ترجمہ نثار احمد،جمعیت الفلاح،بار اول،اشاعت 1966،ص284

-

27-القرآن،5:8،معارف القران،ج3-

28-ایضا،4:3،معارف القران،ج2-

29-طبری،ابی جعفر محمد بن جریر،"تاریخ طبری"،کراچی،نفیس اکیڈمی،ج1،ص481-

30-القرآن،49:13،معارف القران،ج8-

31-اقبال،علامہ ڈاکٹر محمد،"کلیات اقبال"،لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز 1984،ص202-

32-القرآن،4:105،معارف القران،ج2-

33-ایضا،5:48،معارف القران،ج3-

34-ایضا،24:51،-معارف القران،ج6-

35-محمد،حمید اللہ،"عہد نبوی میں نظام حکمرانی"،حیدر آباد دکن،مکتبہ ابراھیمیہ،بار دوم،1949،ج اول،ص84-

36-ایضا،ص91-93-

37-ایضا،ص98-

38-محمد طفیل،نقوش رسول نمبر،لاہور،ادارہ فروغ اردو،1985،ج11،ص625-

39-امین،محمد،"عصر حاضر اور اسلام کا موجودہ نظام قانون"،لاہور ادارہ ترجمان القرآن،طبع اول1989،ص151-

40-غازی،حامد الانصاری،"اسلام کا نظام حکومت"،لاہور،مکتبہ الحسن،قلعہ گجر سنگھ،س ن،ص386-

41-خان،محمد فاروق،ڈاکٹر،"پاکستان اکیسویں صدی کی جانب"،کراچی،ادارہ مطبوعہ تکبیر،طبع اول مارچ 1991،ص226-

42-ایضا،ص227-

43۔ قاسمی، مجاہدالاسلام، "اسلامی عدالت"، نئی دہلی، قاضی پبلیشرز، 1988، ص18۔